قبل از فرید- پنجاب کے ادبی رجحانات

ڈاکٹر سعید بھٹہ*

Abstract:
This article deals with the literary tradition of Punjab before "Baba Farid" Scholars were once agreed then the tradition of Urdu & Punjabi Literature begins from Baba Farid, but this article traces this tradition beyond "Baba Farid". It tells us that those were Naths Jogies and Sidhs who contributed at the early stage of this literary concern.

[1]

پنجابی زبان و ادب کی اکثر کتابوں میں یہ جملہ مسلمہ حقیقت کے طور پر دُہرایا جاتا ہے کہ حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر(1280ء-1188ء)(1) پنجابی کے پہلے شاعر ہیں۔ایک اعتبار سے یہ درست بھی ہے کہ اُن سے پہلے کے شُعراء کا زیادہ کلام سامنے نہیں آ سکا۔ بابا فرید سے قبل پنجابی شاعری کی دور رجحان ساز تحریکیں ناتھ پنتھ اور اسماعیلی فکر موجود تھیں جن کے پنجابی ادب و ثقافت پر گہرے نقوش نظر آتے ہیں۔ پنجاب کے مایہ ناز محقق بابا گرونانک(1539ء-1469ء)(2) نے جب ہندوستان کے مختلف علاقوں کا سفر کیا تو بلا امتیاز مذہب اس عہد کے دانشوروں سے مکالمہ کیا۔انہیں جن دانشوروں کی فکر سے اختلاف تھا ان کے نقائص کی نشاندہی کی لیکن جس فکر سے اتفاق تھا اس کی تعریف کی۔ اگر ان کے روحانی رہنماؤں میں شاعری کی روایت موجود تھی تو گدی نشینوں یا چیلوں کی اجازت سے اسے اپنی بیاض میں رقم کیا۔ بابا فرید کی پنجابی شاعری بھی ان کے گیارہویں جانشین شیخ ابراہیم کی اجازت سے ہی گرونانک نے محفوظ کی جواب ''آدی گرنتھ'' کا حصہ ہے۔(3)

دسویں صدی سے پندرہویں صدی عیسوی تک ناتھ، سِدھ، جوگیوں کی فکر برعظیم پاک و ہند میں بالعموم اور پنجاب میں بالخصوص اپنے زوروں پر تھی۔ بابا گرونانک بچپن سے ہی ناتھ جوگیوں کو جانتے تھے کیونکہ یہ تلونڈی (ننکانہ صاحب) کے نواح میں بھی ڈیرے جماتے تھے۔ جب گرونانک نے برعظیم پاک و ہند کے دانش مندوں سے مکالمے کیے تو ناتھ پنتھیوں سے ملاقات بھی ضروری تھی۔ آپ کی سیرت پر لکھی کتاب ''پُراتن جنم ساکھی'' میں ناتھوں سے ''پہلی اُداسی''(4) ''دوسری اُداسی''(5) اور ''پانچویں اداسی''(6) کے دوران مکالمہ ملتا ہے۔ گرونانک

* اُستاد شعبہ پنجابی، اورینٹیل کالج، پنجاب یونیورسٹی، لاہور

کی شاعری میں مچھندر ناتھ (7) اور گورکھ ناتھ (8) کے نام بھی موجود ہیں۔ ظاہر ہے کہ مچھندر ناتھ اور گورکھ ناتھ آپ سے صدیوں پہلے گُزرے ہیں لیکن سکھ دانشور اسے ناتھوں کی فکر سے خطاب کرنا کہتے ہیں۔ انہوں نے ناتھوں کی تپسیا، گرہستی جیون کا ترک اور عورت سے دُوری کی مذمت کی ہے۔ وہ ترک دنیا کے قائل نہ تھے۔ انتخاب اور اختلاف لازم وملزوم ہیں اور گرونانک اپنے سکھوں کی تربیت کیلئے انتخاب ترتیب دے رہے تھے۔ نظری اختلاف کی اس صورت میں ناتھوں کی شاعری انتخابِ نانک کا حصہ نہ بن سکی۔

اسماعیلی پیروں میں سید نورالدین ستگر (1079ء) (9) پیر شمس ملتانی (1180-1267ء) (10) اور پیر صدرالدین (1290-1409ء) (11) گیارہویں سے چودھویں صدی تک اُچ، ملتان، سندھ اور گجرات میں تبلیغ کر رہے تھے اور وہ شاعر بھی تھے۔ پیر شمس اور گرونانک کے درمیان ایک مکالمہ کا حوالہ بھی ملتا ہے۔ موہن سنگھ نے نانک کی منظوم سیرت میں اس واقعہ کو یوں لکھا:

جیہڑے ویلے گُرو جی پہنچے وچ مُلتان — تھاں شمس تبریز دی ڈیرا کیتا آن
خبر اوہناں دے آن دی پہنچی لوکاں تک — دودھ کٹورا بھیجیا، پیراں نکو نک
بھاو، اگے ہی شہر ایہہ بھریا پیراں نال — بابے نانک سمجھ کے کوہل ایہہ سوال
(12)

موہن سنگھ نے پیر شمس کو تبریزی لکھا ہے جو کہ غلط العام ہے۔ مولانا روم کے مرشد شمس تبریزی اور پنجابی شاعر شاہ شمس سبزواری دو علیحدہ شخصیتیں ہیں۔ ملتان میں شاہ شمس سبزواری کا مزار ہے۔ شاہ شمس سبزواری تیرہویں صدی عیسوی میں شعر لکھ رہے تھے اور گرونانک کا عہد پندرہویں سولھویں صدی کا ہے۔ اگر سکھوں کی مذہبی روایات کے مطابق اسے روحانی مکالمہ بھی تسلیم کرلیا جائے تو اس سے یہ نتیجہ باآسانی نکالا جاسکتا ہے کہ بابا گرونانک اسماعیلی پیروں کی روایت سے واقف تھے۔ انہوں نے اسماعیلیوں کی شاعری کو بھی ''آدی گرنتھ'' میں شامل نہیں کیا۔

جدید پنجابی ادب کے محققین میں ڈاکٹر موہن سنگھ دیوانہ نے ''پنجابی ادب دی مختصر تاریخ'' میں ناتھ پنتھی شُعراء گورکھ ناتھ، چرپٹ ناتھ اور چورنگی ناتھ کے مختصر تعارف کے ساتھ شبد شلوکوں کے نمونے دیئے ہیں۔ (13) ان کے تتبع میں مشرقی پنجاب کے ادبی مورخین نے ناتھ جوگیوں کی شاعری پر بحث کی ہے لیکن اسماعیلی پیروں کے 'گنان' ان ادبی تاریخوں میں جگہ نہ پاسکے۔ عبدالغفور قریشی نے شاہ شمس سبزواری کو ''پنجابی ادب دی کہانی'' میں شامل کیا ہے (14) لیکن دوسرے اسماعیلی شعراء کے متعلق ان کے تذکرہ میں بھی معلومات نہیں ملتیں۔ پنجابی ادب

کے محققین نے ناتھ جوگیوں اور اسماعیلی پیروں کے کلام کی ترتیب و تدوین کی طرف ابھی تک سنجیدگی سے توجہ نہیں دی۔

[2]

جوگ جسے سنسکرت میں یوگ کہتے ہیں کے معنی جُڑنا، میل اور ملاپ وغیرہ کے ہیں۔ ہندو فلسفہ میں صنمیاتی دور سے موجودہ عہد تک موضوعات کا تنوع پایا جاتا ہے۔ اس میں معروضیت اور موضوعیت دونوں کے بے پایاں رنگ موجود ہیں۔ جوگ کو انسان کی باطنی زندگی سے زیادہ علاقہ ہے۔ جوگ کے بارے میں اُپنشدوں اور گیتا میں اشارے ملتے ہیں۔ لیکن اس کی اصطلاحوں کو فلسفیانہ معنی پتنجلی نے دیئے۔ ڈاکٹر رادھا کرشنن کے مطابق:

> "The word Yoga is used in a variety of senses. It simply means "method". It is often used in the sense of yoking. In the Upanisads and the Bhagavadgita, the soul in its worldly and sinful condition is said to live separate and estranged from the supreme soul. The root of all sin and suffering is separation, disunion, estrangement. To be rid of sorrow and sin, we must attain spiritual unification, the conscious of two in one, or Yoga. In Patanjali, the Yoga does not mean union, but only effort, or, as Bhoja says,
> separation (Vi yoga) between purusa and prakrti" (15)

اُپنشدوں کے علاوہ یہ تصور بُدھوں کے ہاں بھی موجود ہے۔ ہندو صنمیات کے مطابق جوگ کا پنتھ شِو یا مہادیو سے بنا ہے جو خود بھی جوگ کی منزلوں سے گزرا تھا۔ ''شری شِو مہاپُران'' کے ترتیہ کھنڈ میں لکھا ہے:

> ''برہما جی بولے۔۔۔' ہے نارد! ہماچل کی بات سن کر سب پروتوں نے اس پرکار کہا۔۔۔ ہے راجن! ہمیں سرو پرتھم اس یوگی کے پاس پہنچ کر اس کی پریکشا لے لینی چاہیے۔'' (16)

شِو جی سادہ دل اور بھولے مزاج کے دیوتا ہیں۔ وہ اپنے پجاریوں پر جلدی مہربان ہو جاتے ہیں اسی لیے انہیں بھولا ناتھ بھی کہا جاتا ہے۔ دسویں صدی عیسوی میں ناتھ پنتھیوں نے اسے باقاعدہ ایک تحریک کی شکل دی۔ تاریخ میں تو ناتھ پنتھ کے بانی مچھندر ناتھ ہیں۔ یہ پنتھ ان کے چیلے گورکھ ناتھ کی شخصیت کی وجہ سے شہرت کی

بلندیوں تک پہنچا۔ گورکھ ناتھ کی شخصیت اور پنتھ کے بارے میں کئی کرامات، لوک کہانیاں اور مبالغے موجود ہیں جن کے بوجھ تلے حقیقت دب جاتی ہے۔ برعظیم پاک و ہند میں نو ناتھ اور چوراسی سِدھ مشہور ہیں۔ ان کی بعض مماثلتوں کی وجہ سے عوام نے انہیں ایک ہی دبستان بنا دیا ہے۔ اکثر محققین بھی انہیں ایک ہی ڈسپلن مانتے ہیں۔ ''انسائیکلوپیڈیا آف انڈین لٹریچر'' کے مطابق سِدھ اور ناتھ الگ الگ دبستان ہیں۔

"The Siddhas were traditionally atheists (Anatma-vadin) and antagonistic to the vedas, while the Nathas were theistic (Atma-vadin). Both of them were contemporaneous and Tantrik elements were common to them. Contrasting conceptions regarding the nature of Shiva and Shakti separated them. The Nathas strictly followed celibacy; but the Siddhas did not, nor did they quote any commonly accepted seripture as their testimony." (17)

گورکھ ناتھ کا پنتھ جنوبی ایشیا میں بے حد مقبول ہوا۔ اس کے چیلے ملک کے کونے کونے میں پھیل گئے بعض نے تو اپنے نام سے بھی پنتھ شروع کیے لیکن عوام میں گورکھ ناتھیوں کو گورکھ ناتھی، جوگی، درسنی اور کن پھٹوں کے نام سے ہی یاد کیا جاتا ہے۔ بریگس کے لفظوں میں:

"The followers of Gorakhnath are known as Yogi, as Gorakhnathi, and Darssani, but most distinctively as Kanphata. The first of these names refer to their traditional practice of Hatha Yoga, the second to the name of their reputed founder, the third to the huge ear-rings which are one of their distinctive marks, and the "fourth to their unique practice of having the cartilege of their ears split for the insertion of the ear rings." (18)

گورکھ ناتھ کے عہد، شخصیت، جنم بھومی اور تصانیف کے بارے میں کئی غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں۔ گورکھ ناتھ کے عہد کے بارے میں نویں صدی سے چودہویں صدی عیسوی تک کے حوالے ملتے ہیں۔ انہی اُلجھنوں کے باعث بعض محققین نے اسے شِو کا ہی کوئی روپ قرار دے دیا ہے، جو تاریخی شخصیت نہیں۔ جدید ہندی سکالرشپ نے

سنسکرت کے گرنتھوں اور تاریخی شواہد سے مچھندر ناتھ کا عہد دسویں صدی عیسوی قرار دیا ہے۔ ڈاکٹر دیوندر سنگھ نے ہزاری پرساد دِوّیدی کے حوالے سے لکھا ہے:

"مِیناپا سدھ کو تبّتی روایت کے مطابق مچھندر ناتھ کا باپ تسلیم کیا گیا ہے جو راجا دیو پال (849ء۔809ء) کا ہم عصر تھا۔ یوں بھی مچھندر ناتھ دسویں صدی کے پہلے نصف یا آخری سالوں کا مانا جا سکتا ہے۔" (19)

اسی طرح کئی داخلی اور خارجی شواہد سے مچھندر ناتھ کا عہد دسویں صدی مانا گیا ہے۔ گورکھ ناتھ اس کا چیلا تھا ظاہر ہے کہ دونوں کا عہد ایک ہی ہو سکتا ہے۔ ہزاری پرساد دِوّیدی، شمبھو ناتھ پانڈے اور پرشوتم پرشاد آسوپا بھی کافی بحث و تمحیص کے بعد اسی نتیجے پر پہنچے ہیں کہ گورکھ ناتھ کا عہد دسویں صدی عیسوی ہے۔ (20)

گورکھ ناتھ برِعظیم پاک و ہند کی ثقافتی تاریخ میں لیجنڈ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس خطہ میں ان کی کئی یادگاریں ہیں اور کتنے ہی دیہات ان کے نام سے منسوب ہیں۔ ان کی جائے پیدائش کے بارے میں بھی کئی روایات ملتی ہیں لیکن اکثر محققین متفق ہیں کہ انہوں نے اپنی زندگی کا زیادہ تر حصہ پنجاب میں گزارا۔ ڈاکٹر موہن سنگھ دیوانہ نے لکھا ہے کہ گورکھ ناتھ گورکھ پور، تحصیل گوجر خان، ضلع راولپنڈی میں پیدا ہوئے۔ (21) بعض محققین نے ان کے درج ذیل شعر سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ ان کی ذات سُنار تھی۔

سونا لیوں رس سونا لیوں
میری جاتی سُنیاری رے
(22)

گورکھ ناتھ کے آباؤ اجداد کا پیشہ کیا تھا؟ اس سے آپ کی فکر پر کوئی خاص اثر نہیں پڑتا۔ ان کی رچنا سے یہ عیاں ہے کہ انہوں نے عوام سے ہی رابطہ مستحکم کیا۔

ان کی تصانیف کے بارے میں بھی کئی مبالغے ملتے ہیں اور انہیں سنسکرت کی درجنوں کتابوں کا لکھاری بھی کہا جاتا ہے۔ سنسکرت کے گرنتھوں کے بارے میں مستند حوالے نہیں ملتے لیکن مقامی زبان میں 'بانی' ہندوستانی زبانوں کی ادبی تاریخ میں دیکھی جا سکتی ہے۔ اپنے گرو مچھندر ناتھ سے زیادہ نام کمانے کا ایک بڑا راز یہ بھی تھا کہ گورکھ ناتھ نے اپنے افکار کی ترویج کیلئے مقامی زبانوں کا انتخاب کیا۔ جدید ہندی سکالرشپ میں پیتمبر دت بڑتھوال نے "گورکھ بانی" مرتب کی۔ ہزاری پرساد دِوّیدی نے "ناتھ سادھوؤں کی بانیاں" ترتیب دی ہیں۔ (23) انہوں نے گورکھ

ناتھ سمیت کئی دوسرے پنجاب کے ناتھوں کو بھی ہندی شاعر تسلیم کیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی وہ شک کا اظہار بھی کرتے ہیں کہ کہیں کہیں ان شُعراء کے ہاں دوسری زبانوں کے الفاظ بھی آ جاتے ہیں۔ دراصل ناتھ پنتھ کا پھیلاؤ بہت وسیع ہے۔ ناتھوں نے ہندوستان کے دوسرے صوبوں میں بھی پنتھ قائم کیے۔ ان پنتھیوں نے مقامی زبانوں میں شاعری بھی کی۔ کیا پنجاب کے ناتھ پنتھی اپنے ہم زبانوں کو دوسری زبانوں میں تبلیغ کرتے تھے؟ ان فکری مغالطوں کے حوالے سے چند معروضات پیش خدمت ہیں۔

گورکھ ناتھ کو ناتھ پنتھ کا صحیح بانی مانا جاتا ہے جن کی شخصیت کے سحر سے ناتھ پنتھ خوب پھیلا۔ ان کے متعلق پنجابی، نیپالی، راجستھانی، سندھی، ہندی، ملیالم اور بنگالی میں کئی کہانیاں ملتی ہیں۔ گورکھ ناتھ کے چیلے اور پیروکار اپنے پنتھ کی ترویج کیلئے ان کی شاعری بھی لوگوں کو سناتے ہوں گے۔ اس طرح راویوں اور عقیدت مندوں کی وجہ سے ان کے اشعار میں دوسری زبانوں کا ذخیرہ الفاظ شامل ہونا فطری امر تھا۔

ناتھ پنتھ کے عروج کا زمانہ دسویں سے پندرہویں صدی عیسوی ہے۔ خصوصاً پنجاب اور راجستھان ناتھوں کے مراکز مانے جاتے تھے۔ اسی عہد میں اس تحریک کو تین بڑے فکری دھاروں کا سامنا کرنا پڑا۔ مسلمان صوفیاء میں سے چشتی، سہروردی اور اسماعیلی پیر بھی اس خطے میں پہنچ چکے تھے۔ چشتی سلسلہ نے پنجاب، راجستھان اور دِلی کو اپنا مرکز بنایا اور یہاں سے ان کے خلفاء پورے ہندوستان میں پھیل گئے۔ سہروردی سلسلہ نے پنجاب، سندھ اور گجرات میں درگاہیں قائم کیں۔ اسماعیلی پیروں کے مراکز بھی پنجاب، سندھ اور گجرات تھے۔ پندرہویں سولہویں صدی کے پنجابی شاعر بابا گرونانک نے اپنا مت پنجاب میں قائم کیا۔ ہندوستان کے اندر سے اُبھرنے والی بھگتی تحریک میں بھی عوام الناس کیلئے بہت کشش تھی۔ ناتھ فکر کیلئے یہ تحریکیں بہت بڑا چیلنج تھیں۔ محمد حسن کے مطابق:

> ''صوفیوں کو جن لوگوں سے عوام کی مقبولیت حاصل کرنے کیلئے مقابلہ کرنا ہوتا
> تھا وہ یہی یوگی فقیر اور ناتھ پنتھی تھے، ان سے بحث مباحثے بھی ہوتے تھے،
> کرامات میں بھی ایک دوسرے کا مقابلہ ہوتا تھا۔ (24)

تیرہویں صدی کے پنجابی شاعر بابا فرید کی شاعری میں ناتھوں کے ناموں کا سراغ تو نہیں ملتا لیکن غالب گمان یہی ہے کہ ان کے شلوکوں میں مونڈے سروں والے اور جنگلوں میں پھرنے والوں کی طرف جو اشارے ملتے ہیں، وہ یہی جوگی ہو سکتے ہیں:

مناں! مُن مُنایاں، سِر مُنے کیا ہوءِ

کیتی بھیڈاں مُنیاں، سُرگ نہ لدھی کوءِ

(25)

فریدا جنگل جنگل کیا بھویں، ون کنڈا موڑیں

وسی رب ہیا لیے، جنگل کیا ڈھونڈیں

(26)

بابا فرید نے جن رویوں کی طرف بلیغ اشارے کیے ہیں وارث شاہ نے ناتھ پنتھیوں کی ان عادات کو ذرا تفصیل سے بیان کیا ہے:

کنیں مُندراں سہلیاں سُندراں نے، داڑھی پٹے سر بھواں مُنا وڑیا

(27)

کند مول اُجاڑ وچ کھائیکے تے بن باس لے کے موجاں ماننے ہاں

نگر بیچ نہ آتما پرچدائے اُدیان بہہ کے تنبو تاننے ہاں

(28)

گرونانک کے جوگیوں سے اصولی اختلاف کے بارے میں قبل ازیں ذکر آ چکا ہے۔ بھگت شُعراء کا نکتہ نظر بھی جوگیوں سے مختلف تھا۔ بھگت کبیر آچاریہ رامانند کے چیلے تھے لیکن وہ جوگ مت کے کٹھن راستوں سے باخوبی واقف تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جوگ مت کے بارے میں ان کے طنز کا نشتر تیز ہو جاتا ہے۔

ہزاری پرساد دِوّیدی رقمطراز ہیں:

جب وہ یوگی یا اودھوت کو مخاطب کرتے ہیں تبھی ان کا اکھڑپن پورے زور پر ہوتا ہے۔ وہ یوگ کے سامنے پہیلیاں بجھاتے رہتے ہیں۔ ''سن'' اور ''سہج'' کی ماہیت پوچھتے رہتے ہیں ''دویت'' (دوئی) اور ''ادویت'' (وحدت) کے سوالات اٹھاتے ہیں اور اودھوت کی لاعلمی پر شرارت آمیز خندہ زنی کرتے ہیں۔ (29)

برعظیم پاک و ہند میں ابھرنے والی یہ تینوں تحریکیں بہت جاندار تھیں۔ ایسے حالات میں دانشوروں کی ترجیح ناتھ پنتھی نہیں رہے ہوں گے۔ مندرجہ بالا دبستانوں کے مذہبی عقائد بھی رکاوٹ بنے ہوں گے۔ ان کے مرشد اور گرو جس دانش کو رد کر رہے تھے اس پنتھ کی پزیرائی مقلدین کیلئے محض گورکھ دھندا ہی ہو سکتی تھی۔

پنجاب میں ٹِلہ جوگیاں (ضلع جہلم) اور کڑانہ کی پہاڑیوں (ضلع سرگودھا) پر جوگیوں کے اہم مراکز تھے

لیکن قیام پاکستان کے بعد یہ علاقے پاکستان کے حصے میں آئے ہیں۔ ہماری سکالرشپ ہندوستان میں رائج رسم الخطوں سے بہت دور ہوتی جارہی ہے۔ ایسی صورتحال میں کسی پرانے قلمی نسخے کی بنیاد پر نئے زاویوں کی تحقیق کا امکان کم نظر آتا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ راجستھانی مٹھوں سے کسی قلمی نسخہ کا پتہ چل سکے جس سے ناتھ ادب کے بارے میں تحقیق کی نئی راہیں کھل سکیں۔ ابھی تک ناتھ شاعری کے بارے میں جو تین بنیادی اور معیاری قلمی نسخے تسلیم کیے گئے ہیں ان کا زمانہ سترہویں اٹھارہویں صدی عیسوی ہے۔(30) ہندی سکالرشپ کا رجحان تو ادھر ہی ہے کہ پنجاب کے ناتھ ہندی میں شاعری کررہے تھے پھر ان قلمی نسخوں کا خط بھی دیوناگری ہے۔ پنجابی زبان کو فارسی، گورمکھی، دیوناگری، سندھی اور رومن رسم الخطوں میں لکھنے کا چلن رہا ہے۔ آج بھی سندھی رسم الخط میں سینکڑوں پنجابی شُعراء کی کتب موجود ہیں جن کا تذکرہ ہماری ادبی تاریخوں میں کم کم ملتا ہے۔ اسی طرح انگریزی عہد میں پنجابی کتب رومن اور دیوناگری میں شائع ہوتی رہی ہیں۔ کیا یہ کتب سندھی، ہندی اور انگریزی کے زمرے میں آئیں گی؟

قرین قیاس یہی ہے کہ گورکھ ناتھ کی جنم بھومی پنجاب ہے اور ٹِلہ جوگیاں اس کا مرکز تھا جہاں سے اس نے اپنے پنتھ کی اشاعت کی۔ اس عہد کے ہندوستان میں صوفیاء، بھگت اور ناتھ اپنے پنتھوں کے پرچار کیلئے سیاحت کرتے تھے۔ گورکھ ناتھ افغانستان، بلوچستان، نیپال، آسام، بنگال، اڑیسہ، وسطی ہند، کرناٹک، مہاراشٹر اور سندھ میں اپنے پنتھ کی تبلیغ کیلئے گئے اور ان جگھوں پر ان کی یادگاریں اس کی شاہد ہیں۔(31) سماجی لسانیات کا یہ بنیادی اصول ہے کہ سامعین کے مطابق زبان بدلتی ہے۔ جب گورکھ ناتھ پنجاب سے باہر کے لوگوں سے مکالمہ کرتے تھے تو یہ لازمی امر ہے کہ ذخیرہ الفاظ بھی کچھ نہ کچھ بدلنا تھا۔ زبان تو سامع کے مرتبہ سے بھی بدلتی ہے۔ موضوع کا انتخاب بھی الفاظ میں تبدیلی لاتا ہے۔ یہ بعید از قیاس لگتا ہے کہ گورکھ ناتھ پنجابیوں سے دوسری زبانوں میں مکالمہ کرکے ہماری ثقافت پر اتنے گہرے نقوش چھوڑ گئے۔

پیتمبر دت بڑتھوال نے 'گورکھ بانی' کو ہندی میں مرتب کیا ہے۔ دیوناگری سے گورمکھی رسم الخط میں منتقلی کا کام کرشن مدھوک اور شکتی پرکاش نے کیا ہے۔ اس طرح گورکھ ناتھ کی شاعری کسی حد تک مربوط شکل میں سامنے آئی ہے۔ گورکھ ناتھ کے عہد سے پہلے سندھ اور پنجاب کے کچھ حصے پر عربوں کی حکومتیں قائم ہوچکی تھیں۔ ترک مسلمانوں کے حملوں سے پہلے ہی وادی سندھ پر اسلامی ثقافت کا رنگ چڑھ رہا تھا۔ گورکھ ناتھ کے اشعار میں ہندوؤں اور مسلمانوں کے شعورِ حقیقت سے ناآشنائی کی طرف اشارے ملتے ہیں۔ وہ قاضی اور برہمن کی ظاہرداری کی مذمت

کرتا ہے کہ مسجد اور مندر میں خدا نہیں مل سکتا۔ وہ جوگ کے ''آفاقی'' اصولوں کی تعلیم دیتا ہے:

ویدے نہ شاسترے کتیبے نہ قرآنے
پُستکے نہ بندھیا جائی
(32)

محمدؐ محمدؐ نہ کر قاضی محمدؐ کا وِکھم بچار
محمدؐ ہاتھ کرد جے ہوتی لوہے گھڑی نہ سار
(33)

ہندو دھیاوے دیہُرا مسلمان مسیت
جوگی دھیاوے پرم پد جہاں دیہُرا نہ مسیت
(34)

اُتپتی ہندو جرنا جوگی عاقل پر مسلمانیں
تے راہ چیہنو ہو قاضی مُلا برہما بسن مہادے مانیں
(35)

آخری شعر سے مترشح ہوتا ہے کہ ناتھ پنتھ مذہب اسلام کی ترویج کے مدمقابل آ کھڑا ہوا تھا۔ ناتھ دیکھ رہے تھے کہ وادی سندھ میں اسلام کا زور دن بدن بڑھ رہا ہے۔ ایسے حالات میں عرب مسلمانوں کے سیاسی اثر و رسوخ سے باہر جہلم کی پہاڑیوں کا انتخاب کرنا کوئی غیر سیاسی فیصلہ نہ تھا۔ ہندوستان میں باہر سے کئی قومیں آئیں لیکن اسلام کی سماجی تنظیم ان کے لیے انوکھی تھی۔ مسلمانوں میں بھی امراء اور رعایا کے طبقات پیدا ہو چکے تھے لیکن مساوات کی مثالیں بھی بے بدل تھیں۔ مسلمان صوفیاء کی زندگیاں عوام کے لئے عملی نمونہ تھیں۔ اس نئے چیلنج کے کرب نے ہی گورکھ ناتھ سے یہ کہلوایا تھا کہ میں بھی پیدائشی ہندو ہوں لیکن جوگ کو اپنے اندر سمو لینے سے جوگی بن گیا ہوں۔ ذرا سوچو! یہ مسلمانوں کے پر (پیر) بہت عاقل ہیں۔ بالآخر وہ قاضی اور ملا کو بھی برہما، وشنو اور مہادیو کو ماننے کی دعوت دیتا ہے جو حق کے متلاشیوں کو منزل پر پہنچاتے ہیں۔

گورکھ بانی کے مآخذ سترہویں اٹھارہویں صدی کے قلمی نسخے ہیں۔ اس سے پہلے یہ شاعری سات سو سال تک ایک نسل سے دوسری نسل میں منتقل ہوتی رہی۔ دیوناگری کے کاتبوں کو یہ شاعری سنانے والے نہ جانے کن

صوبوں کے باسی ہوں گے۔ بہر حال دستیاب 'گورکھ بانی' میں اب بھی پنجابی شاعری کا مزاج دیکھا جاسکتا ہے:

ہسے کھیلے نہ کرے من بھنگ
تے نہچل سدا ناتھ کے سنگ

(36)

مرو وے جوگی مرو، مرن ہے میٹھا
تس مرنی مرو، جس مرنی گورکھ مر دیٹھا

(37)

گورکھ کہے سنہو رے اودھو جگ میں ایسا رہناں
آنکھیں دیکھیا کانیں سُنیا، مُکھ تھیں کُچھ نہ کہناں

(38)

کدے نہ سوبھے سُندری سن کائدک کے ساتھ
جب تک النک لگیسی کالی ہانڈی ہاتھ

(39)

رات گئی ادھ رات گئی بالک ایک پُکارے
ہے کوئی نگر میں سُورا بالک کا دُکھ نبارے

(40)

چورنگی ناتھ یا پورن بھگت سیالکوٹ کے راجا سالباہن کا بیٹا تھا۔ اس کی سوتیلی ماں نے اس کے ہاتھ پاؤں کٹوا کر اسے کنویں میں پھنکوا دیا تھا جہاں سے اسے مچھندر ناتھ نے نکالا۔ پورن بھگت کی داستان پنجاب کے کئی شعراء نے لکھی ہے۔ اس کا بھائی راجا رسالو بھی پنجاب میں لیجنڈ کی حیثیت رکھتا ہے۔ ڈاکٹر موہن سنگھ دیوانہ کے مطابق اس نے شبد اور شلوک تخلیق کیے ہیں۔ چورنگی ناتھ اپنا تعارف یوں کرواتا ہے:

مچھندر گرو امہارا گورکھ ناتھ بھائی
وِوری وچاری چورنگی آن منا نہ ہوری

(41)

چرپٹ ناتھ کے حالات زندگی کے متعلق کچھ زیادہ معلومات نہیں ملتیں۔ ڈاکٹر موہن سنگھ دیوانہ نے ایک سنسکرت کی کتاب کے حوالے سے لکھا ہے کہ وہ گورکھ ناتھ کے چیلے، بالناتھ کا چیلا تھا۔(42) گورکھ ناتھ کے بعد بالناتھ نے بھی کافی شہرت حاصل کی اور ٹِلہ جوگیاں بال ناتھ کے نام سے مشہور ہوا۔ چرپٹ ناتھ کے بعض اشعار پنجاب میں ضرب المثل کی حیثیت رکھتے ہیں:

اندر گندا باہر گندا

توں کیوں بھولیو چرپٹ اندھا

(43)

اسی طرح بابا حاجی رتن ناتھ سے منسوب کچھ اشعار موجود ہیں لیکن ان کے عہد اور شاعری کے بارے میں کوئی مستند حوالہ نہیں ملتا۔ اگرچہ پنجاب کے ناتھوں کی شاعری پر تحقیقی نوعیت کا معیاری کام نہیں ہوا جسے مدنظر رکھتے ہوئے آنے والے عہد کے ادب پر اثرات کا جائزہ لیا جا سکے لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ پنجابی جیون پر ناتھ جوگیوں کے گہرے اثرات موجود رہے ہیں۔

[3]

قبل از فرید پنجابی کی دوسری بڑی تحریک اسماعیلی پیروں کی تھی۔ اسماعیلی شیعہ فرقہ کی ایک شاخ ہے۔ اثناء عشریہ اور اسماعیلیہ امامت کے سوال پر امام جعفر صادقؒ تک تو متفق ہیں لیکن اسماعیلیہ امام جعفر صادقؒ کے بیٹے موسیٰ کاظمؒ کی بجائے اسماعیل بن جعفر صادقؒ کو امام مانتے ہیں۔ قرامطہ اور ملاحدہ اسماعیلیوں کی ہی دو شاخیں ہیں۔ آغاز میں تو قرامطیوں کی تحریک اسماعیلوں سے علیحدہ تھی بالآخر قرامطی بھی انہیں میں ضم ہو گئے۔ برعظیم پاک و ہند کے اسماعیلی نزاریہ، باطنی، فدائی، حشاشین، مشرقی اسماعیلی اور خوجہ کے نام سے مشہور ہیں۔(44) اسماعیلی فرقہ کے داعی برعظیم پاک و ہند میں اسماعیلی پیروں کے نام سے پہچانے جاتے ہیں۔ اسماعیلیوں کی دعوت کے مراکز پنجاب، سندھ اور گجرات تھے۔ ان کی کامیابی کا راز بھی یہی تھا کہ انہوں نے مقامی زبانوں کو سیکھا اور ان صوبوں کی ثقافت کو اختیار کر لیا۔ ایران سے بھیجے جانے والے ابتدائی نزاری داعیوں میں پیر نورالدین ستگر کا نام اس حوالے سے بھی کافی اہمیت کا حامل ہے کہ انہوں نے مقامی زبانوں میں شاعری کی اور بعد میں آنے والے کئی اسماعیلی پیروں نے مقامی زبانوں میں ادب تخلیق کیا۔ نورالدین نے 'ست پنتھ' کا آغاز کیا جس کا مطلب سچا راستہ ہے۔ وہ 1079ء میں برعظیم پاک و ہند میں آئے اور ان کے مزار کے کتبہ کے مطابق تاریخ وفات 1094ء ہے۔

" Satgur Nur, as noted, is reported to have been earliest Pir or Guru from Persia to India for the propagation of Nizarism, which in India became designated as Satpanth, that is Sat Panth, the true path. According to the traditions, Satgur Nur was mainly active in Patan, Gujrat. His Shrine is located at Naswari near Surat, and the tombstone, oddly enough, gives the dates as 478/1094." (45)

اسماعیلی پیروں کی شاعری کو'گنان' کہا جاتا ہے جو اسماعیلیوں کے لیے مذہبی تقدس کا درجہ رکھتے ہیں۔ گنانوں میں کئی ادبی اصاف اور ہیئتیں استعمال کی گئی ہیں۔ پاکستان کے کئی سنجیدہ محققین یہ شکوہ کرتے رہتے ہیں کہ اسماعیلی پیروں کے گنان برعظیم پاک و ہند کا عظیم ورثہ ہیں لیکن اسماعیلی حضرات اس موضوع پر تحقیق کی اجازت نہیں دیتے۔ اس کی پہلی وجہ تو ان کے مذہبی نظریات ہیں۔ دوسری وجہ رسم الخط ہے۔ گنان جس رسم الخط میں محفوظ کیے گئے ہیں اسے کھوجکی یا لوہانکی کہا جاتا ہے۔ کھوجایا خوجہ خواجہ کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔ فرہاد دفتری کے مطابق پیر صدرالدین نے لوہانہ قبیلہ کو خواجہ کا خطاب دیا تھا۔ (46) اس قبیلے کے اکثر لوگ تجارت پیشہ تھے اور لین دین کے لیے یہی خط استعمال کرتے تھے۔ پیر صدرالدین نے لوہانکی میں ترمیم واصلاح کی۔ ان کے معتقدین کا دعویٰ ہے کہ اس رسم الخط کے موجد پیر صدرالدین تھے۔ یہ دعویٰ خوش اعتقادی سے بڑھ کر نہیں۔ گورمکھی کے بارے میں بھی کہا جاتا ہے اس کے موجد گروانگد تھے حالانکہ انہوں نے بھی اس رسم الخط میں چند ترامیم کی تھیں۔ ان مذہبی رہنماؤں کا شعوری یا غیر شعوری انتخاب علیحدہ مذہبی شناخت کے لیے کارگر ثابت ہوا۔ دراصل اس وقت مبلغین کی کامیابی کا بڑا راز یہی تھا کہ وہ عوام کا قرب حاصل کرنے میں کتنے کامیاب ہوسکتے ہیں تاکہ ان کے نظریات پر اثر انداز ہوسکیں۔ انہوں نے سنسکرت اور دیوناگری کی بجائے عوام میں مروج رسم الخطوں کو ہی اپنالیا:

"According to Ismaili tradition, the fifteenth century da'i (preacher, missionary) Pir Sadr-ad-Din, who bestowed this title on new Indian converts to Ismaili Islam, was also responsible for inventing the Khojki script." (47)

اب کھوجکی رسم الخط اسماعیلیوں کی پہچان بن گیا ہے اور موجودہ عہد کے اکثر غیر اسماعیلی دانشور اس سے ناآشنا ہیں۔ اس صورت حال میں اسماعیلیوں کے قلمی نسخوں تک رسائی محققین کیلئے مزید مشکل ہوگئی ہے۔ اب شیعہ امامی اسماعیلی طریقہ اینڈ ریلیجس ایجوکیشن بورڈ برائے پاکستان (کراچی) کے تعاون سے فارسی رسم الخط میں ''گنان

شریف'' (حصہ اول، دوئم، سوئم، چہارم) اردو ترجمہ کے ساتھ شائع کئے گئے ہیں۔ بلاشبہ پاکستانی ادب میں یہ اہم اضافہ ہے لیکن ''گنان شریف'' کے متعلق بہت سے باتیں ابھی تحقیق طلب ہیں۔ اس میں گیارہویں صدی عیسوی کے شاعر پیر نورالدین ستگر نور کے بعد آنے والے سترہ شعراء کا کلام شامل ہے۔ لیکن شعراء کی تاریخ پیدائش و وفات کے بارے میں اشارہ تک نہیں ملتا۔ کیا ''گنان شریف'' میں شامل کلام کے علاوہ بھی ان شاعروں کی تخلیقات قلمی نسخوں میں محفوظ ہیں، اس کا بھی پتہ نہیں چلتا۔

قبل از فرید کی اسماعیلی شعری روایت میں صرف پیر نورالدین ستگر نور کا نام آتا ہے۔ سندھی ادب کی تاریخوں اور تذکروں میں انہیں سندھی کا پہلا شاعر تسلیم کیا گیا ہے۔ ''گنان شریف'' میں شامل 29 اشعار کے مطالعہ کے بعد قاری اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ یہ پنجابی کے اشعار ہیں:

کلمہ کہو رے مومنو، تمے مت جاؤ رے بھول
راہ علی نبی جی کی ساچ ہے، اے ہووے گے سدا قبول
(48)

اے جی بن کلمے بندگی کرے تو بندگی سونی سار
تے جیم نت اٹھ راہ چلنا آخر اُجڑ واس
(49)

اے جی علی نبیؐ کوں دھیائے، تمے سنو مومن وات
کلمہ کہو دل ساچ سوں، نہیں تو آخر کالی رات
(50)

اے جی دھن تے دیش نبیؐ کا، انے جینے نجرے سوں دٹھا
جس صفد میں نبیؐ جی بیٹھا، تے سب بہشت میں جائے بھائی
(51)

اے جی جس مکھے کلمہ نہیں کہیا نبیؐ کا انے تس مکھ لیتی آگ
کلمے سوں جو بہشتی ہوئیے، تو پھل پاوے درود دا شفاعت
(52)

مندرجہ بالا مثالوں سے واضح ہوتا ہے کہ ستگُر کے اشعار جس طرح سینہ بہ سینہ صدیوں سے چلے آ رہے تھے اور ان کے مذہبی رہنما جس آہنگ میں انہیں پڑھتے تھے اسی طرح محفوظ کر لیے گئے ہیں۔ ان 'گنانوں' کو ادبی فن پارے کے طور پر مرتب نہیں کیا گیا۔ اکثر شعروں میں 'اے جی' وزن سے خارج ہے۔ اسی طرح حرف جار کا بھی بے جا استعمال ہوا ہے جو زبانی روایت کی وجہ سے در آیا ہے۔ ستگر نور کے بعد درجنوں اسماعیلی شاعروں نے پنجابی میں شاعری کی ہے جو پاکستان کی ادبی تاریخ کا ایک شاندار باب ہے۔

[4]

اب تک کی تحقیق کے مطابق پنجابی ادب کا پہلا دور ناتھ جوگیوں کا ہے۔ ناتھ جوگیوں نے وادی سندھ کی ثقافت پر گہرے اثرات مرتب کیے ہیں۔ پنجابی کی کلاسیکی داستانیں ''ہیر رانجھا'' اور ''پورن بھگت'' کے ہیرو جوگ لیتے ہیں۔ ان داستانوں کو سینکڑوں شاعروں نے نظم کیا ہے۔ اس طرح جوگ مت کے بارے میں ان ادبی فن پاروں سے بھی معلومات ملتی ہیں۔ ان شعراء میں وارث شاہ خصوصی اہمیت کے حامل ہیں جنہوں نے ناتھ فکر بھی بیان کردی ہے اور زوال پذیر پنتھ کی خامیوں کی نشاندہی بھی کی ہے۔ اس سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ اٹھارہویں صدی تک ناتھ جوگی پنجاب کے دیہات میں کس قدر مقبول تھے۔ مسلمان صوفیاء اور فقراء میں چند گروہ ابھی تک گیروے رنگ کے کپڑے پہنتے ہیں۔ مسلمانوں میں بھی جوگیوں کا ایک گروہ پیدا ہوگیا جو بھیک مانگتا ہے اور قسمت کا حال بتاتا ہے۔ بعض درباروں کے ملنگوں کی وضع قطع بھی ناتھوں کی یاد دلاتی ہے۔

ناتھ جوگیوں کے مخاطب پورے برعظیم پاک و ہند کے عوام تھے اسی وجہ سے ان کی بولی میں دوسری ہندوستانی بولیوں کے الفاظ بھی شامل ہونے لگے تھے۔ گرونانک اور ان کے جانشین شعراء نے بھی ناتھوں کی زبان کا اثر قبول کیا۔ پنجاب کے صوفی شعراء لہندی کو ادبی زبان کے طور پر استعمال کر رہے تھے۔ جب کہ گرو صاحبان کے فن پاروں پر بھاشا کا اثر نمایاں ہے۔ اسماعیلی پیروں نے بھی ویدانت اور جوگ مت کی اصطلاحوں کو ہی قبول نہیں کیا بلکہ ناتھ پنتھیوں کا محاورہ بھی اختیار کرلیا۔ کئی اسماعیلی پیروں نے اپنے عوامی نام بھی ناتھوں کے نام پر رکھ لیے۔ اس ضمن میں پیر صدرالدین کی تصنیف ''دس اوتار'' کافی اہمیت کی حامل ہے۔ (53)

ناتھوں نے جن ادبی اصناف کو رواج دیا وہ بعد کے شعراء نے بھی اختیار کیں جیسے پد، دوہا، شبد وغیرہ۔ پنجابی کے پہلے شاعر گورکھ ناتھ ہیں جن کی بانی میں راگوں کا ذکر ملتا ہے۔ ان کے بعد ''آدی گرنتھ'' کی پوری شاعری کیلئے راگ مخصوص کر دیئے گئے۔ شاہ حسین کی بعض کافیوں پر راگوں کا نام دیا گیا ہے۔ یوں گورکھ بانی بعد میں آنے والے

شعراء کیلئے قابل تقلید مثال بنی۔

پنجابی لوک ادب میں کئی گیت اور کہانیاں جوگیوں کے حوالے سے ملتی ہیں۔ کلاسیکی ادب میں جوگی کئی معنوی حیثیتیں رکھتا ہے۔ یہ لفظ رومانوی پہلو سے لے کر صوفیانہ علامتوں تک مستعمل ہے۔ اسی طرح ہمارے محاورے، روزمرے میں بھی سِدھ، جوگی عموماً استعمال ہوتا ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وادی سندھ کی ثقافت پر سِدھوں، ناتھوں اور جوگیوں نے گہرے نقش ثبت کیے ہیں۔

اسماعیلیہ عام طور پر شیعہ کی ایک شاخ مانی جاتی ہے۔ اسماعیلیوں کی تبلیغ کی وجہ سے سانحہ کربلا، آل نبیؐ کا تقدس جیسے موضوعات پنجابی ادب کا باقاعدہ حصہ بن چکے ہیں۔ اگر اسماعیلیوں کو اثناء عشریہ سے الگ کر کے بھی دیکھیں تو آج بھی وادی سندھ میں اسماعیلیوں کی ایک بڑی تعداد موجود ہے خصوصاً پنجاب میں شاہ شمس سبزواری کے مریدین شمسی کے نام سے مشہور ہیں۔ اسماعیلی پیروں نے کتنی ہی لوک ادب کی اصناف کو کلاسیکی حیثیت دی ہے۔

پنجاب کے ادب وثقافت پر تو ناتھوں اور اسماعیلیوں کے دوررس اثرات نظر آتے ہیں لیکن جن ادبی فن پاروں میں اس عہد کی روح سمٹ آئی ہے انہیں پنجابی محققین نے ابھی تک سنجیدگی سے نہیں لیا۔ دنیا کی قدیم ترین کتاب ''رگ وید'' پنجاب میں لکھی گئی جو پندرہ سو قبل مسیح کی اہم تہذیبی وثقافتی دستاویز ہے لیکن اسے اپنا ورثہ تسلیم کرنے میں ہمارے تحفظات ہیں۔ پنجابی کے کلاسیکی شاعر بابا گرونانک پاکستانی پنجاب میں پیدا ہوئے لیکن ان کی شاعری کے بارے میں بھی ہمارا رویہ غیر علمی ہے۔ ناتھ شعراء بھی اسی غفلت شعاری کا شکار ہوگئے ہیں۔ اپنے تہذیبی ورثہ کو فراخ دِلی سے کھنگالنے سے ہماری ادبی وثقافتی اقدار میں قابل قدر اضافہ ہوسکتا ہے۔

حواشی و حوالہ جات

1۔ بابا فرید، ’آکھیا بابا فرید نے‘، مرتب۔ محمد آصف خاں (لاہور: پاکستان پنجابی ادبی بورڈ، 1978ء) 25۔

2۔ عبدالغفور قریشی، ’پنجابی ادب دی کہانی‘ (لاہور: پاکستان پنجابی ادبی بورڈ، 1987ء) 208۔

3۔ ’’آدی گرنتھ‘‘ کا مطلب پہلی کتاب ہے۔ بابا گرونانک نے برعظیم پاک و ہند کے مختلف علاقوں کا دورہ کیا اور ماضی کے جن شعراء کا کلام انہیں پسند آیا اسے منتخب کیا اور سکھوں کو وہ شاعری پڑھنے کی نصیحت کی۔ پانچویں گرو ارجن دیو نے نانک کا مجوزہ کلام، نانک کی اپنی شاعری اور پچھلے چار گروؤں کے کلام کو 1604ء میں مرتب کیا۔ اسے ’’آدی گرنتھ‘‘ کہا جاتا ہے۔

4۔ بھائی وِیر سنگھ، مرتب۔ ’پراتن جنم ساکھی‘ (نویں دلی: بھائی وِیر سنگھ ساہت سدن، 1996ء) 63۔

5۔ بھائی وِیر سنگھ 160۔

6۔ بھائی وِیر سنگھ 191۔

7۔ بابا نانک، ’کلام نانک بمعہ فرہنگ‘، مرتب۔ جیت سنگھ سیتل (پٹیالہ: بھاشا وِبھاگ، س، ن) 621۔

8۔ بابا نانک 619۔

9۔ 'Encylopaedia of Indian Literature', vol III (New Delhi: 1995) 2437.

10۔ 'Encylopaedia of Indian Literature' 2501.

11۔ 'Encylopaedia of Indian Literature' 2501.

12۔ موہن سنگھ، ’پروفیسر موہن سنگھ رچناولی‘، مرتب۔ ڈاکٹر دھنونت کور (پٹیالہ: پنجابی یونیورسٹی، 2005ء) 495۔

13۔ ڈاکٹر موہن سنگھ دیوانہ، ’پنجابی ادب دی مختصر تاریخ‘ (لاہور: ماڈرن پبلیکیشنز، س، ن) 18-3۔

14۔ عبدالغفور قریشی 192۔

15۔ S. Radha Krishnan, 'Indian Philosophy', vol II (Delhi: Oxford university press, 1997) 337.

16۔ ’شری شِو مہاپُران‘ (دہلی: دیہاتی پُستک بھنڈار، س، ن) 153۔

17۔ 'Encylopaedia of Indian Literature'. 2915.

18۔ George Weston Briggs, 'Gorakhnath and The Kanphata Yogis ' (Calcutta: Y.M.C.A Publishing ,1938)1.

19۔ ڈاکٹر دیوندر سنگھ،' آدکالین پنجابی ساہت'(امرتسر: الکا ساہت سدن،1989ء)12-111۔

20۔ ڈاکٹر دیوندر سنگھ 115۔

21۔ ڈاکٹر دیوندر سنگھ 114۔

22۔ ڈاکٹر پرمندر سنگھ، کرپال سنگھ کسیل، ڈاکٹر گوبند سنگھ لانبا، ' پنجابی ساہت دی اتپتی تے وکاس'(لدھیانہ: لاہور بک شاپ،1998ء)26۔

23۔ ڈاکٹر دیوندر سنگھ 116۔

24۔ محمد حسن، 'ہندی ادب کی تاریخ'(دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس،2002ء)24۔

25۔ بابا فرید 317۔

26۔ بابا فرید 162۔

27۔ وارث شاہ، 'ہیر وارث شاہ' مرتب۔ شیخ عبدالعزیز (لاہور: پنجابی ادبی اکیڈمی،1964ء)171۔

28۔ وارث شاہ 177۔

29۔ ہزاری پرساد دِوّیدی، کبیر، 'کبیر وچناولی'، مولف۔ ہری اودھ (دہلی: ساہتیہ اکادمی،1996ء)16۔

30۔ ڈاکٹر دیوندر سنگھ 107۔

31۔ ڈاکٹر دیوندر سنگھ 114۔

32۔ پیتمبر دت بڑتھوال، مرتب۔ 'گورکھ بانی' گورمُکھی، کرِشن مدھوک، شکتی پرکاش، (پٹیالہ: بھاشا وِبھاگ، 1963ء)21۔

33۔ پیتمبر دت بڑتھوال 22۔

34۔ پیتمبر دت بڑتھوال 46۔

35۔ پیتمبر دت بڑتھوال 25۔

36۔ پیتمبر دت بڑتھوال 22۔

37۔ پیتمبر دت برتھوال 29۔

38۔ پیتمبر دت برتھوال 47۔

39۔ پیتمبر دت برتھوال 105۔

40۔ پیتمبر دت برتھوال 109۔

41۔ ڈاکٹر دیوندر سنگھ 118۔

42۔ ڈاکٹر موہن سنگھ دیوانہ 11۔

43۔ ڈاکٹر موہن سنگھ دیوانہ 12۔

44۔ ڈاکٹر زاہد علی، 'تاریخ فاطمین مصر' حصہ دوم (کراچی: نفیس اکیڈمی، 1963ء) 167۔

45۔ Farhad Daftary, 'The Ismailis their history and doctrines' (Delhi: Munshiram Manoharlal, 1990) 478.

46۔ Farhad Daftary 479.

47۔ Ali S. Asani, "The Khojki Scirpt: A Legacy of Ismaili Islam in the Indo-Pakistan Subcontinent"

48۔ نوردین حسین بخش اور دیگر، مترجمین 'گنان شریف' حصہ دوئم (کراچی: اقبال برادرز، 2000) 1۔

49۔ نوردین حسین بخش 1۔

50۔ نوردین حسین بخش 1۔

51۔ نوردین حسین بخش 3۔

52۔ نوردین حسین بخش 5۔

53۔ ڈاکٹر زاہد علی 175۔